

# اقبال اور تصور وطنیت

ڈاکٹر محمد رضوان\*

احسن علی\*\*

## Abstract

*The modern concept of nationalism depicts a bond of consciousness and affection between the people for a certain piece of land, language or race etc. however, territorial and secular concept of nationalism is completely different from the Islamic concept. By the following the same ideology, Iqbal, a staunch advocate of a separate Muslim state, not only rejected the territorial nationalism but also advocated the concept of Ummah as the deriving sources of national identity. He believed that every individual who came into the auspice of Islam becomes a citizen of an Islamic Ummah irrespective of his color, creed or caste etc. Present study will strive to define and analyze Iqbal's thought about nationalism according to which the presence of western concept of nationalism among the Muslim states is a biggest threat to their common identity.*

*Keywords: Iqbal, Indian Nationalism, Secular ideology, Ummah, Common identity, Muslims*

اقبال نے جس وقت شعوری آنکھ کھولی تب ہندوستان پر انگریز کالی طور پر حکمران تھے۔ مسلمانوں کی حکومت چھن چکی تھی اور انکی حالت انتہائی زوال پزیر تھی۔ انگریزوں کی آمد کے وقت مسلمان چونکہ حکومت میں تھے اور اس وجہ سے انگریز مسلمانوں کو اپنا دشمن

\* اسٹنٹ پروفیسر شعبہ مطالعہ پاکستان، ایبٹ آباد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی۔

\*\* ایم فل سکالر، شعبہ مطالعہ پاکستان، ایبٹ آباد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی۔

سمجھتے تھے اور ان کی مذہبی، تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے۔ اپنی شناخت برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر جنگ آزادی لڑی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس صورت میں ان کے تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف تحریکیں شروع ہوئیں، جن کی قیادت مختلف نظریات رکھنے والے افراد کر رہے تھے۔ ایک طرف سر سید احمد خان تھے تو دوسری طرف علماء دیوبند تھے۔ علماء کے خیال میں انگریزی تعلیم کا حصول غلط تھا۔ جبکہ سر سید اسکو وقت کا تقاضہ سمجھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی قیادت فکری انتشار کا شکار تھی اس صورت حال میں ایک ایسی قیادت کی ضرورت تھی جو اسلامیان میں مذہبی، فکری اور سیاسی شعور پیدا کرے سکے۔ اقبال اس صورتحال پر فکر مند تھے، تاریخ اور اس دور کے حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ اسے نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک نئی فکر کی ضرورت ہے جسکی بنیاد مذہب ہو۔

اگرچہ سر سید احمد خان جو مسلمانوں کو مغربی تہذیب کا درس دیتے ہوئے مسلمانوں کو انگریز کے ساتھ چلنے پر زور دیتے تھے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ کے ذریعے اپنا کردار نبھایا تاہم دوسری طرف مسلمانوں کی تہذیبی روایات کو زندہ رکھنے کی غرض سے شبلی نعمانی نے ندوۃ العلماء قائم کیا جو خالصتاً مذہبی افکار کی پیروی کرتا تھا۔ لیکن جس جذبے اور رہنمائی کی ضرورت تھی وہ شاید مسلمانوں کو میسر نہ ہو سکی۔ کیونکہ دونوں مکاتب فکر اپنی اپنی جگہ تو ٹھیک تھے لیکن باہمی اختلاف نے انکی صفیں کمزور کر دیں۔ علماء چاہتے تھے کہ مسلمان انگریزی تعلیم کو اختیار نہ کریں اور چونکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے دھوکے کے ساتھ حکومت چھینی تھی، لہذا انگریزوں کی طرف سے آنے والی کوئی بھی چیز مسلمانوں کے لئے کسی طور جائز نہیں۔ ان کے خیال میں مسلمان صرف مذہبی طریقہ کار اختیار کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتے تھے جبکہ سر سید مغربی تعلیم کو حصول آزادی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ان دو مکاتب فکر کے درمیان خلیج بڑھتی گئی ان دو تحریکوں نے مسلمانوں کو آزادی کے لئے تحریک تو کیا لیکن جس اتحاد اور یگانگت کی ضرورت تھی وہ مسلمانوں میں پیدا نہ کر سکیں۔

دوسری کئی مسلمان زعماء کی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال بھی مسلمانوں کی اس حالت

زار سے بہت فکر مند تھے، انہوں نے گہرائی کے ساتھ مسلمانوں کی تاریخ اور موجودہ حالات کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب مسلمانوں کو آزادی کرنے کے لئے ایک نئی فکر کی ضرورت ہے۔ یہی وہ فکر تھی جس کی بنیاد مذہب پر رکھی گئی اور جس کی بدولت مسلمان اپنے سیاسی، اور معاشرتی اور ثقافتی مسائل کو حل کر سکتے تھے۔ علامہ صاحب نے اپنی شاعری اور نثر سے مسلمانوں کو آزادی کی تحریک دی اور حالات کو دیکھتے ہوئے ایک ایسا حل پیش کیا جو صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے بھی تھا۔ علامہ کے اس انمول کام کو آج بھی امت مسلمہ رہنمائی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جس میں مسلمان قرآن اور سنت کے مطابق اپنی سیاسی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی زندگی گزار سکیں۔ اقبال چاہتے تھے کہ یہ ریاست نظریہ اسلام پر بنے جو کہ مدینہ کی طرح ایک مثال ہو۔

### تصور اقبال اور ہندوستانی قومیت

تہذیبی اعتبار سے مسلمانوں کا تشخص ہندؤں سے جداگانہ تھا، ان دونوں قوموں کے افکار و عقائد اور طرز معاشرت ایک دوسرے سے مختلف تھے صدیوں تک دونوں اکٹھے رہنے کے باوجود ایک دوسرے میں ضم نہ ہو سکے۔ انگریزوں نے ہندؤں کو برصغیر پر راج کرنے کا ایک بہترین نسخہ اکثریتی حکومت کا اصول عطا کیا یعنی حکومت اس کی ہو جسکی اکثریت ہے۔ مغربی جمہوریت کے اس اصول کے تحت ہندوستان میں ہندو حکومت حاصل کر کے مسلمانوں پر مستقل غلبہ حاصل کر سکتے تھے۔ سر سید احمد خان وہ پہلے مسلمان قائد تھے جنہوں نے اکثریتی حکومت کے مضمرات کو بھانپا اور مسلمانوں کی سیاسی قومیت کی داغ بیل ڈالی۔ تاکہ وہ متحد ہندوستانی قومیت کی تحویل میں آ کر ہندو اکثریت کی دائمی غلامی سے بچیں۔ سر سید نے لکھنؤ میں ہونے والے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں پہلی مرتبہ کانگریس کے خلاف ایک نہایت مفصل تقریر کی اور اکثریتی حکومت کی خرابیاں گنوائیں۔ دوسرے کئی مسلمان زعماء بشمول قائد اعظم محمد علی جناح کے متحدہ قومیت کے اس اصول کو اقبال نے بھی اپنایا اور 1905 سے قبل وہ بھی قوم پرست رہنما کے طور پر ابھرے۔ ان کی یہ محبت حب الوطنی سے بڑھ کر وطن پرستی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ انہیں اس زمانے میں ہندوستان کی ہر چیز سے محبت تھی، جسکا ثبوت انکی دو نظمیں ”ہمالہ“ اور

ترانہ ہندی "ہیں۔ ان میں وہ مادر وطن کی محبت میں کچھ اس رطب السان ہیں،  
 امتحان دیدہ ظاہر میں کوہستان تو  
 پاسبان اپنا ہے تو، دیوار ہندوستان ہے تو<sup>۲</sup>  
 اسی طرح وہ ترانہ ہندی میں وہ اپنے ملک کو ایک خوبصورت گلستان سے تشبیہ دیتے  
 ہوئے فرماتے ہیں۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا  
 پاسبان اپنا ہے تو، دیوار ہندوستان ہمارا<sup>۳</sup>  
 اس وقت علامہ اقبال دوسرے کئی مسلمان رہنماؤں کی طرح وطن کو نشان وحدت  
 خیال کرتے تھے اور کسی قسم کے بھی معاشرتی، مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو درخوراعتنا  
 نہیں سمجھتے تھے اور انکا خیال تھا کہ مذہب اختلافات کا درس نہیں دیتا۔ ہم ہندوستانی ہیں  
 اور ہمیں اس ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مل کر کام کرنا چاہیے۔  
 مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا  
 ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا<sup>۴</sup>  
 ”دنیا شوالہ“ میں وہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں نظر ہیں اور دونوں اقوام کو مادر وطن کی  
 اساس پر ایک قومیت کے رشتے میں باندھنا چاہتے ہیں۔

ہندوستان لکھ دیں ماتھے پہ اس ضم کے  
 بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سنا دیں<sup>۵</sup>  
 اس ضمن میں وہ وطن سے غداری کو بہت برا بلکہ ایک گناہ سمجھتے تھے وہ کہتے ہیں،  
 جعفر از بنگال و صادق از دکن  
 ننگ آدم، ننگ دیس، ننگ وطن<sup>۶</sup>

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ 1905 تک علامہ اقبال بھی کئی دوسرے مسلمان  
 رہنماؤں کی طرح ہندو مسلم اتحاد اور قومیت کے قائل تھے اور انکی اکثر تنظیمیں ملک گیر شہرت  
 حاصل کر چکی تھیں۔ تاہم اسی سال جب انہوں نے یورپ کا سفر کیا تو یہ سفر وسیلہ ظفر  
 بنا۔ جس نے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔ یورپ میں انہوں نے جغرافیائی، نسلی اور لسانی

قومیت کے تاریک پہلوؤں کا بغور مطالعہ کیا تو ان پر ہندوؤں کے پوشیدہ عزائم آشکار ہوئے۔ متحدہ قومیت کے اصول کی جگہ اب مسلم ریاست کی داغ بیل ان کے افکار میں واضح طور پر جھلکنے لگی۔ ایک ایسی ریاست جو بلاشبہ ہندوستانی مسلمانوں کی ہو لیکن امت مسلمہ کا ایک جزو بھی ہو۔

### اقبال کا تصور وطن

قومیت کے اسی تناظر میں اقبال نے پروفیسر میک ٹیگرٹ اور پروفیسر آرنلڈ کی راہنمائی میں اپنے نظریات میں مزید نکھار پیدا۔ اب ان کے خیال میں فرقہ واریت کی طرح وطنیت اور قومیت کا بت بھی وحدت امت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اقبال کے نزدیک نیشنلزم کا ناسور مغرب میں پروان چڑھا اور کئی مسلمان ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یورپ میں قیام کے دوران مغربی تہذیب کے گہرے مطالعہ کے بعد انہوں نے جب یورپی قومیت کا پورے طریقے سے تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قومیت ایک سیاسی نظام کی حیثیت سے غیر انسانی نظام ہے۔ انہوں نے اس کے عملی نتائج دیکھے تو انہیں یہ خدشہ ہوا کہ یہ جذبہ اسلامی ممالک کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

یورپ کے بعد اب تاریک رات کسی نہ کسی صورت میں تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ کہیں ذات پرستی کا سیل نیکراں انسانی قدروں بہالے جا رہا تھا اور کہیں نسل پرستی کا زہر جڑیں کاٹ رہا تھا۔ کہیں رنگ و روپ کا طوفان سارے عالم کی بنیادیں مسما کر رہا تھا۔ لیکن امت کی وحدت کا پیغام اقبال کے شعر و نثر میں جا بجا ہماری راہنمائی کے لئے موجود تھا اور جس کو علامہ اقبال کے افکار میں مرکزی مقام حاصل تھا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قومیت ایک ذہنی کیفیت کا نام یا اسے ایک نفسیاتی تصور کا نام دے دیجیے۔ فرانسی انقلاب کے بعد جن دو نظریات نے تیزی سے فروغ پایا وہ جمہوریت اور قومیت کے نظریات ہیں۔

علامہ اقبال قوم اور ملت کے درمیان فرق پیش کرتے ہیں ان کے نزدیک قوم لوگوں کا وہ گروہ ہے جسکی تشکیل قبائل، نسل، زبان یا علاقے کے خطوط پر ہوتی ہے۔ جبکہ ملت کی اساس اسلامی نظریے پر ہے۔ یہ ایک ایسی اساس ہے جس نے مختلف گروہوں کو ایک جسم و

روح میں تبدیل کر دیا۔ جس کی بنیاد توحید پر ہے جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ کسی بھی فرد کے لئے کہ جب وہ اسلام کے دائرے میں آ جاتا ہے اس کے بعد اسکا اسکی جائے پیدائش سے کوئی تعلق نہیں رہتا، چاہے وہ کسی بھی ملک سے تعلق رکھتا ہو وہ ایک اسلامی ریاست کا شہری ہوتا، چاہے اس کی قومیت، رنگ و نسل کوئی بھی ہو۔ اس سلسلے میں اقبال نبی کریم ﷺ کے ارشادات اپنا محور مانتے ہیں؛ جس کے مطابق سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہاری صورتوں کو، بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔<sup>۷</sup>

محسن انسانیت، فخر موجودات، امام الانبیاء ﷺ نے رنگ و نسل و قومیت کے بارے میں قیامت تک کے لئے منشور اعظم دیتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: مسلمانوں سن لو کہ تمہارا پروردگار ایک اور باپ ایک ہے یعنی آدم۔ کس عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں، برتری صرف پرہیزگاری کو ہے۔<sup>۸</sup>

انہی تعلیمات مقدسی کی بنیاد پر مسلم معاشرے کی بنیاد رکھی گئی جس کی مزید نکھری ہوئی شکل مسلم ریاست کا قیام ہے۔ مسلم ریاست کو ایک نظریاتی ریاست کو اجاگر کر سکتا ہے لیکن اسکے برعکس ایک لادینی ریاست سے مراد ایک گروہ ہوتا ہے جو کسی بھی علاقے پر قابض ہوتا ہے اور سیاسی تنظیم کا مالک ہوتا ہے۔ یہ آزاد ہوتا ہے یا آزاد ہونے کا آرزو مند ہوتا ہے، اس میں نسل، زبان مفادات اور مذہب کا اشتراک ہوتا ہے۔ جدید مغربی سیاسی افکار میں وطنیت اور قومیت قریب قریب ہم معنی ہیں۔ اقبال نے وطنیت کے جس سیاسی تصور کو رد کیا تھا وہی وجہ مغربی نظریہ قومیت سے ان کی بدظنی کی بنیاد بنی ان کا خیال تھا کہ قومیت کی ایک سیاسی نظام کی حیثیت قطعاً غیر انسانی اقدار پر مشتمل ہے۔ اقبال نے قومیت کے مغربی تصور میں ملت اسلامیہ کا تصور پیش کیا جس میں ثابت کیا کہ مسلمانان عالم کے لئے بنیادی نظریات اور اعتقادات کی رو سے ایک وسیع تر ملت کا تصور ہی درست ہے۔ وہ قومیت کے اس تصور کے خلاف ہیں؛ جس کی بنیاد ”لوگو ہم نے تم کو ایک مرد

اور ایک نسل زبان یا وطن پر ہو۔ کیونکہ یہ حد بندیاں ایک وسیع انسانی برادری قائم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہارے قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان ہو سکو۔<sup>۹</sup>

جب مسلمان برصغیر ہند میں آئے تو ان کے پاس مذہبی رواداری کی شاندار روایات تھیں۔ چھوت چھات، ذات پات اور اونچ نیچ کے گھور کھ دھندے ان کے لئے نئے تھے۔ مشہور تصنیف ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ملک ہے تو انکا ملک، انسان ہیں تو انکی قوم کے لوگ، بادشاہ ہیں ان کے بادشاہ، دین ہے تو وہ جو انکا مذہب ہے اور علم کتاب الہند ”میں ابوریحان البیرونی لکھتے ہیں ہے وہ جو انکے پاس ہے۔ اس لئے یہ لوگ بہت تعصب کرتے ہیں جو تھوڑا بہت علم انکے پاس ہے اس کو وہ بہت سمجھتے ہیں اور خود پسندی میں مبتلا ہو کر جاہل رہ جاتے ہیں“۔<sup>۱۰</sup>

مغل بادشاہوں نے اکثریت میں ہندوں سے رشتے ناطے کئے اور انکو بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ لیکن یہ سب کرنے کے باوجود ہندو اور مسلم کی خلیج پر نہ کرسکی۔ اگرچہ انگریزوں کے خلاف کئی محاز ہندوں اور مسلمانوں نے مل کر سر کئے لیکن اس کے باوجود دونوں نحثیت مجموعی الگ الگ قومیں رہیں۔ انہی سبھی باتوں کو دیکھ کر جب علامہ اقبال وطن واپس آئے تو انکا نظریہ مکمل طور پر تبدیل ہو چکا تھا۔ پہلے وہ ہندوستانی وطنیت کی بات کرتے تھے لیکن جب آپ واپس آئے تو اسلامی قومیت کے جذبہ کی تشریح اور توضیح کے کام میں مشغول ہو گئے۔ اپنی نظم و نثر سے مسلمانوں کو انکا جداگانہ تشخص اجاگر کرایا۔ مختلف مسلم رہنماؤں کو خطوط لکھے اور اخبارات میں مضامین تحریر کئے۔ آپ نے اپنے اشعار میں وطن پرستی کی مذمت کی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ مغربی وطنیت کسی بھی علاقہ، زبان، رنگ و نسل کی بنیاد ہے۔ اسی تصور وطنیت اور قوم پرستی کے نتیجے میں دو عالمی جنگیں پرپا ہوئیں اور جس کی وجہ سے یورپ میں بدترین معاشی اور تمدنی زبوں حالی آئی۔ ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم گرائے گئے جس سے لاکھوں انسان لقمہ اجل بن گئے۔ اقبال کے نزدیک یہ تصور وطنیت

مغرب کی تہذیب کا تراشہ ہو بت ہے جو عالم انسانیت کو لادینیت، دہریت اور اقتصادی لوٹ کھوسٹ کی طرف لے جا رہا ہے۔ اسی تصور وطنیت کی وجہ قوموں میں رقابت پیدا ہوتی ہے اور سیاست میں بے اصولی پائی جاتی ہے۔ اپنی نظم وطنیت میں علامہ انہی برائیوں کے برے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس وطنیت کے بت کو توڑنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے  
 جو پیر ہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے  
 یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے  
 غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے  
 بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے  
 اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے  
 نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے  
 اسے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے  
 ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی  
 رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی  
 ہے ترک وطن سنت محبوب الہی  
 دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی  
 اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے  
 تسخیر یہ مقصود تجارت تو اسی سے  
 اقوام میں مخلوق خدا بٹی ہے اس سے  
 قومیت اسلام کے جڑ کٹتی ہے اس سے 11  
 اسی تناظر میں علاہ مزید فرماتے ہیں۔

میں یورپ کے پیش کردہ نیشنلزم کا مخالف ہوں اس لئے کہ مجھے اس تحریک میں مادیت اور الحاد کے جراثیم نظر آ رہے ہیں اور یہ جراثیم میرے نزدیک دور حاضر کی



انسانیت کے لئے شدید ترین خطرات کا سرچشمہ ہیں۔ اگرچہ وطن ایک فطری امر ہے، اس لئے انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک جز ہے، لیکن جو شے سب سے زیادہ ضروری وہ انسان کا مذہب، اسکا کلچر اور اسکی ملی روایات ہیں، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے لئے انسان کو زندہ رہنا چاہیے اور جن کی خاطر انہیں اپنی جان قربان کرنی چاہیے۔ وہ خطہ زمین جس میں وہ رہتا ہے اور جس کے ساتھ عارضی طور پر اس کی روح وابستہ ہوتی ہے اس لائق نہیں کہ اسے خدا اور مذہب سے برتر قرار دیا جائے۔<sup>۱۲</sup>

علامہ اقبال کی شاعری اسی امر کی غماز ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اسکا تعلق سیاست و تمدن سے ہو یا معاشرت و معیشت سے فرد سے ہو جماعت سے، سب کا مکمل حل اسی ضابطہ حیات میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے رسول انسانیت ﷺ نے نسل پرستی اور نسب پرستی کے امتیازات کو مٹا کر صرف اور صرف خدا پرستی کو باقی رکھا اور اسی بنیاد پر ملت اسلامیہ کی بنیاد رکھی، یعنی کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہی جو سب زیادہ پرہیزگار ہے۔<sup>۱۳</sup> صحابی رسول حضرت سلمان فارسی سے کسی نے انکا نسب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا سلمان بن اسلام یہ جواب اسلامی روح کے عین مطابق ہے۔ اقبال 1911 میں ایک درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اسلام کا تصور گویا ہمارا سرمدی وطن یا ملک ہے جس میں ہم جیتے ہیں، نقل و حرکت کرتے ہیں اور وجود رکھتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ تمام اشیا سے اسی طرح اولی ہے جس طرح انگریز کے لئے انگلستان اور جرمن کے لئے جرمنی۔<sup>۱۴</sup>

حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمان ملت اسلامیہ کی وسیع برادری میں داخل ہو جاتا ہے تو اسکا وطن اسلام ہوتا ہے اور وہ نسلی اور جغرافیائی قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔

### اقبال کا تصور ملت

اقبال کا تصور ملت تعلیمات قرآن پر مبنی ہے، ارشاد خداوندی ہے:-  
اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا، اور جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو، اور وہ ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں۔<sup>۱۵</sup>

اسی طرح قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ،  
 آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا ہے، کہ تم ملت ابراہیم ﷺ کا  
 اتباع کرو جسم میں زرا کجی نہیں اور مشرک بھی نہ تھے۔ ۱۶  
 ان آیات مبارکہ میں واضح ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کج ملت ابراہیمؑ کا اتباع کرنے  
 کا حکم دیا گیا ہے۔ ملت ابراہیمؑ کی بنیاد رنگ و نسل اور وطنیت کے محدود جغرافیائی تخیل پر  
 قائم نہیں بلکہ دین ابراہیمی پر قائم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملت کا  
 تصور دین اور شریعت وابستہ ہے نہ کہ خطہ زمین سے۔ اقبال کے تصور کا ابتدائی اور انتہائی  
 سلسلہ دو انبیا کرام سے روحانی طور پر منسلک ہے اور وہ دو جلیل القدر انبیا اور کوئی نہیں  
 حضرت ابراہیمؑ اور حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات مقدسہ ہیں۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار  
 اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد اس فرمان رسول ﷺ کو بھی ماننا کہ  
 مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ افراد کے اسی ربط سے ایک عالمگیر ملت وجود میں آتی  
 جس میں رنگ و نسل اور حسب نسب کی کوئی قیود نہیں۔ اس لئے اقبال فرماتے ہیں:

قلب ما از ہند و روم و شام نیست  
 مرز زبوم او بجز اسلام نیست ۱۷

ہر کہ از قید جہالت آزاد شد  
 چوں فلک در شش جہت آباد شد ۱۸  
 اس بات پر بھی بہت سے دانشوروں کا اتفاق ہے کہ اقبال وطن پرست نہیں، اسلام  
 نے حب وطن کو ایمان کا تقاضا سمجھتے ہوئے بھی وطن کے لئے بھی اندھی عصبیت اور اس کی  
 پرستش سے روکا ہے۔ اگرچہ ابتدائی دور میں اقبال نے کہا تھا کہ  
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے ۱۹

لیکن قیام یورپ کے زمانے میں انہوں نے یہ تکلیف دہ مشاہدہ کیا کہ وطن کا مغربی  
 تصور انسانیت کی تذلیل کا باعث ہے۔ انہیں یہ بھی احساس ہوا کہ اسلام نے تو وطن پرستی  
 اور وطنیت کے اس تصور کی نفی کی ہے اور عالمگیریت ملت ابراہیمیؑ کے قیام پر زور دیا

ہے۔ اسی لئے انہوں نے پورے عالم کو انہوں نے مسلمانوں کا وطن قرار دیا ہے۔

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا ۲۰

اسی طرح علامہ اقبال اتحاد عالم اسلامی کے سید جمال الدین افغانی کی مانند زبردست علمبردار تھے انہوں نے اپنی شاعری سے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کیا اور انکو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جس کا نتیجہ آخر کار پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شجر ۲۱

ان کی شاعری سے یہ تاثر عام ملتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان رنگ و نسل، قومیت، علاقیت اور فرقہ واریت کو بھلا کر عالمگیر اسلامی اتحاد کی خاطر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور پوری امت مسلمہ ایک جان دو قالب ہو جائیں جس سے ان کی کھوئی ہوئی تمام عظمت رفتہ دوبارہ حاصل ہو جائے گی۔

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی ۲۲

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں ۲۳

امت مسلمہ کی بیداری کے لئے تو اقبال نے زیادہ تر شاعری کو اپنا یا ہے، مگر جب ان کی نثر کا بھی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے اہل اسلام کی بیداری کے لئے ان کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی افکار کی اصلاح و تنقیح کے لئے بھی خاص توجہ دی ہے۔ اس حوالے ان کی کتاب تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے نام سے دستیاب ہے۔ امت مسلمہ کے اتحاد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ۲۴

بحالت موجود تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم اسلامیہ میں ہر ایک کو اپنی ذات میں ڈوب جانا چاہیے۔ انہیں چاہیے اپنی ساری توجہ اپنے آپ پر مرکوز کر دیں، حتیٰ کہ ان سب میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ باہم مل کر اسلامی جمہوریتوں کی ایک برادری کی شکل اختیار کر لیں۔ حزب وطنی کے زعمائے ٹھیک کہتے ہیں کہ عالم اسلامی کا ایک حقیقی اور مؤثر اتحاد ایسا

آسان نہیں کہ محض ایک خلیفہ کے نمائشی تقرر سے وجود میں آجائے۔ اس کا ظہور ہو گا تو آزاد اور خود مختار وحدتوں کی ایک ایسی کثرت میں جن کی نسلی رقابتوں کو ایک مشترک روحانی نصب العین نے توافق و تطابق سے بدل دیا ہو۔ میں تو کچھ ہونہی دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل کا شاید ہم مسلمانوں کو بتدریج سمجھا رہی ہے کہ اسلام نہ تو وطنیت ہے، نہ شہنشاہیت، بلکہ ایک انجمن اقوام جس نے ہمارے خود پیدا کردہ حدود اور نسلی امتیازات کو تسلیم کیا ہے تو محض سہولت تعارف کر لئے۔ اس لئے نہیں کہ اس کے ارکان اپنا اجتماعی مطمح نظر محدود کر لیں۔

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اقبال کی شاعری کا بیشتر حصہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو یاد کرنے اور اسے بحال کرنے کی شدید خواہش کا مظہر ہے۔

اسی لئے لیکن وہ ملت اسلامیہ کو اتحاد کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ۲۵

دریں اثنا اقبال کے تصور ملت کو سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں ملت کے عناصر ترکیبی کو جاننا چاہیے۔ ان کے نزدیک حاکمیت بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی ہے۔

لیکن وہ ذات اور نسل پرستی کی قید سے بالا تر ہیں، یہ ان کے اتحاد امت کے فلسفہ ہی تھا کہ انہوں نے 1930 میں قیام پاکستان کی بنیاد بننے والے تاریخی خطبہ الہ آباد پیش کیا۔ اقبال نوجوانوں سے کبھی مایوس نہیں رہے بلکہ انہیں شاہین قرار دیتے رہے۔ اقبال کے اشعار میں ہمیں باہمی یگانگت اور مسلمانوں کے لئے ہمدردی کے جذبات کی چاشنی بھی ملتی ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ ۲۶

ایک جگہ مسلم قوم کو نصیحت کرتے ہیں،

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں  
 موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں ۲۷  
 اسی طرح ضرب کلیم کی ایک نظم، دام تہذیب، میں علامہ اقبال نے غم ملت کا بیان  
 کچھ یوں کیا ہے:

جلتا ہے مگر شامِ فلسطین پہ مرا دل  
 تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدِ شوار  
 ترکان جفا پیشہ کے بچے سے نکل کر  
 بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار ۲۸

یہاں یہ بات واضح ہے کہ ان کا یہ انداز حقیقت پسندانہ ہے۔ وہ ماضی کی مدح  
 سرائی ہی نہیں کرتے، اس کا رشتہ حال کی صداقتوں سے بھی جوڑتے ہیں۔ وہ بتانا چاہتے  
 ہیں کہ صرف ایسے ہی احساس کو پیکار اور پیکار کو انقلاب کی صورت دی جاسکتی ہے۔ وہ  
 جب ملت کے درد میں ڈوب جاتے ہیں تو اس کیفیت کو بخضور سرور کونین ﷺ بیان کرنے  
 کا انداز بھی دل گداز ہوتا ہے۔

شیرازہ ہو ملت مرحوم کا ابر  
 اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے  
 وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں  
 پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے  
 اس راز کو اب فاش کرے ارے روح محمد ﷺ  
 آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے ۲۹

اقبال نے اپنے مضمون، جغرافیائی حدود اور مسلمان، میں مسلم امہ کی ملی ابتری اور انتشار  
 کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یورپ اپنے نظریہ وطنیت سے اسلام کی وحدت  
 دینی کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ مغربی سیاست نے جو جال بچھایا ہے اس کا نام وطن ہے۔ دین  
 اور وطن کی آویزش میں وطن کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مفہوم ہو ہے جو سند ارشاد نبوی ﷺ ہے  
 اور دوسرا مفہوم وہ ہے جو گفتار سیاست نے اس لفظ دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ،

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے  
 ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے ۳۰  
 اور گفتار سیاست کے دیے ہوئے مفہوم نے وطن کے لفظ کو ایک ایسا ضم بنا دیا کہ  
 اس کی پوجا کرنے والے اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے  
 جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے ۳۱  
 مغربی سیاست کا دوسرا روپ تہذیب نو ہے جو اپنے جلوے سے انتشار و افتراق پیدا کرتی ہے۔  
 اقوام میں مخلوق خدا بٹی ہے اس سے  
 قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے ۳۲  
 پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا  
 تو وہ یوسف ع ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا ۳۳

لیکن امت کے ایک تسلیم شدہ اصول کے باوجود دنیائے اسلام مملکتوں میں بٹی ہوئی  
 ہے جس میں ہر مملکت اپنے سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی، جغرافیائی تقاضے ہیں۔ پھر سوال  
 یہ پیدا ہوتا کہ مملکتوں کے اس وجود کی کثرت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ہم وحدت کے  
 رشتوں کو کس طرح استوار کریں۔ اقبال اپنے قاری کو تعمیر حرم کی طرف مائل اور متوجہ کرتے  
 ہیں لیکن انکا اندازہ ناصحانہ ہے۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے انسان کو  
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زبان ہو جا  
 یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی  
 تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا  
 غبار آلود رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے  
 تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا ۳۴

ایک مسلم امہ کی تشکیل کا خواب انہیں ہر دم بے قرار رکھتا ہے، اقبال اپنے ایک خط  
 میں تحریر کرتے ہیں کہ، ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ صرف

اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں زندگی کو قائم رکھا نہ کہ مسلمان۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے حیات بخش خیال سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بصیرت رکھتے ہیں کہ، مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ گئی اور اگر اس اختلاف کا تصفیہ نہ ہو سکا تو ان کا اللہ حافظ ہے۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جب مسلمان میں اتحاد ہو گا تو دنیا ایک دفعہ پھر جلال اسلامی کا نظارہ دیکھ سکے گی۔

تاہم ان کے خیال میں آج کی مسلمان دنیا تہذیبی کشمکش میں بھی مبتلا ہے اور مغرب کا موثر ہتھیار اب برتر تہذیب ہے۔ مسلمان اسلام یا اسلامی تہذیب کو متبادل کے طور پر سامنے لا ہی نہیں سکتے۔ معاشی خود کفالت، اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ، اپنی روایات سے محبت اور ان کی پاسداری، ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک مرکز کے گرد اکٹھا کرنا ہی مسلم امہ کو باوقار مقام دلا سکتا ہے اور اقبال کے یہ اشعار اس سب کی تفسیر ہے:-

مکے نے دیا خاک جینوا کو یہ پیغام  
 جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم ۳۵  
 اور یہ بھی یاد رکھیں کہ  
 وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا  
 جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے ۳۶

مندرجہ بالا مثالوں سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ موضوعات کی وسعت اور فکر کی گہرائی کے باعث جدید مسلم مفکرین میں بلاشبہ بطور حوالہ کثرت اور اعتماد سے استعمال کیا جاتا ہے۔ علامہ مساوات اور ہم آہنگی پر مبنی ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں جو نہ صرف اپنی ثقافتی، روحانی اور مذہبی اقدار سے مکمل آگاہ ہو بلکہ زمانے کی رفتار اور تقاضوں کا بھی بھر پور ساتھ دے۔ اسی ضمن میں اقبال کی شاعری کا مطمح نظر مسلم امہ کی بیداری ہے۔ اگرچہ اقبال کی شاعری میں قوموں کے عروج زوال کے بارے میں متعدد بصیرت افروز نکات ملتے ہیں لیکن شاعری کا اصل مقصد ملت بیضا کی عظمت رفتہ کی بحالی ہے۔ انکا یہ ایمان تھا کہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں دین و دنیا کی فلاح ہے اور اسی جذبہ سے ملت بیضا

کی عظمت رفتہ کو واپس لایا جا سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ان کے قلب و روح کے لئے سامان راحت بنی رہی اور سفر زندگی میں ہر قدم پر اقبال ذات مصطفیٰ ﷺ ہی کو اپنا ہادی و راہنما تسلیم کرتے رہے۔

سالار کارواں ہے میر حجاز ﷺ اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں اپنا ۳۷

ملت اسلامیہ کو اس کے شاندار ماضی کا آئینہ دکھاتے ہوئے اقبال مسلمانوں کو اپنے ماضی پر فخر کرنے کا درس دیتے ہیں اور اس میں سے ان کی نشاۃ ثانیہ کیلئے راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اقبال کا شکوہ مسلمانوں کی ماضی کی تصویر ہے اور عظمت رفتہ کا نشان ہے جبکہ جواب شکوہ میں اقبال نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو جہاں اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ مہیا کیا وہاں اسے یہ بھی یقین دلایا کہ اگر وہ بے عملی کی کھائی سے نکل آئے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے تو فرد اسی کا ہے۔ اقبال بیداری امت میں اس رکاوٹ کو ایسے بیان کرتے ہیں،

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں  
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں  
امراء نشہ دولت میں ہیں؛ غافل ہم سے  
زندہ ہے یہ ملت بیضاء غرباء کے دم سے  
رہ گئی رسم اذال روح بلالی نہ رہی  
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی  
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے  
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے  
وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہو ہنود  
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرما ہیں یہود  
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو  
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو



ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے  
 تم مسلمان ہو! یہ انداز مسلمانی ہے  
 حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے  
 تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے  
 وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر  
 اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر ۳۸

جواب شکوہ میں اقبال نہ صرف مستقبل کا لائحہ عمل دیتے ہیں بلکہ ایک راہ بھی متعین کرتے ہیں کہ امت کو کیا کرنا چاہیے؟ فرماتے ہیں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے  
 دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے  
 کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  
 یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ۳۹

ایک بات تو طے ہے کہ اقبال کے ہاں ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی غلامی ہے کیونکہ باقی جتنے بھی مسائل تھے وہ صرف اس مسئلے کے حل ہونے میں ہی مضمر تھے۔ ان کے نزدیک غلامی ایک لعنت ہے اور اس سے نجات کیلئے وہ ملت اسلامیہ کو اس کے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہوئے آزادی اور حریت کا سبق دیتے نظر آتے ہیں۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو  
 مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے ۴۰  
 اس طرح غلامی اور آزادی کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبال نے کیا خوب کہا،

آزاد کا ہر لحظہ پیغام ابدیت  
 محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاعیات  
 آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور  
 محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات  
 محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوتا  
 ہے بندہ آزاد خود ایک زندہ کرامات ۴۱

اقبال اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ کسی ایک شخص کے گناہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن جب پوری قوم بے حمیتی پر ڈٹ جائے تو ان کیلئے کوئی چارہ نہیں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے

کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف ۴۲

امت مسلمہ کو خدا کا قانون کچھ اس انداز میں سمجھایا گیا اسی طرح

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاعلات ۴۳

ملت بیداری میں اقبال غلامی کی لعنت پر کڑھتے ہوئے مسلمانوں کی تساہل پسندی کو ان کا سب سے بڑا گناہ قرار دیتے ہیں اور تقدیر ام میں ملت اسلامیہ کو شمشیر بے نیام کر رکھنے کا درس دیتے ہوئے اسے اسکا شاندار ماضی یاد دلاتے ہیں کہ یہ ملت اسلامیہ ہی تھی جس نے قیصر و کسری کے استبداد کو مٹایا۔

مٹایا قیصر و کسری کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا زور حیدر، فقر بوذر، صدق سلیمانی ۴۴

اقبال کے نزدیک غلامی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ بندہ مومن کو بندہ خدا نہیں بلکہ بندہ نفس و شیطان بنا دیتی ہے۔ نتیجتاً وہ توحید الہی کے حقیقی سبق کو بھلا بیٹھتا ہے۔ توحید کا حقیقی سبق یہ ہے بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو

قلندر بز دو حرف لالہ کچھ نہیں جانتا

فقیر شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا ۴۵

اقبال کو یقین کامل تھا کہ لالہ الا اللہ ہی وہ کلمہ ہے جو بندہ مومن کو غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اقبال کو یقین ہے کہ توحید سے ایک دن یہ چمن معمور ہو گا۔

شب گریزاں ہو گی جلوہ خورشید سے

یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے ۴۶

اپنی شاعری کے ذریعے علامہ اقبال نہ صرف باطل طاقتوں کے خلاف کی جانے والی اپنی جد و جہد میں لوگوں کو وحدت و اتحاد کی دعوت دیا کرتے تھے بلکہ اپنے اہم اشعار میں

انہوں نے ملت اسلامیہ کی وحدت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ اقبال نے اپنی قوم کا یہی درد تشخیص کیا تھا، ان کے نزدیک امت مسلمہ کا دینی تشخص نہیں ہے۔ اقبال کے اندر یہ احساس فقط برصغیر کے مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری امت کے لیے موجود تھا۔ بلکہ بعض دانشوروں کے نزدیک اقبال درس سے نہیں بنے بلکہ درد سے بنے ہیں۔ جس درد نے یہ سارے نالے اقبال سے اگلوائے۔ یہ درد انکا درد ہ ہی تھا، جو ان کی یہ آرزو بنی کہ امت مسلمہ کو دوبارہ دینی تشخص مل جائے، انہوں نے وحدت امت پر زور دیا ہے ان کے اشعار میں جو وحدت کی خوشبو آتی ہے شاید وہ کسی اور کے اشعار میں نہیں ملتی۔

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت

وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو

آتی نہیں کچھ کا یہاں عقل خداداد ۴۷

وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کوئی قوم یا ملت متحد ہو کر رہتی ہے تب تک عزت مند، جرأت مند، محفوظ اور مستحکم ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں ۴۸

ایک بات تو طے ہے کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلامی اتحاد جیسے وسیع تاریخی، اجتماعی اور سیاسی موضوع پہ قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے اپنے انداز فکر سے قوم و ملت کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ اپنی شاعری سے وحدت و اتحاد کا درس بھی دیا جو کہ اسلامی اتحاد کی ضرورت تھی۔ اتحاد خدا کی ایسی مضبوط رسی ہے جس سے گمراہی اور تفرقہ کی ذلت سے نجات ملتی ہے، اسلامی اتحاد کی ضرورت بھی ہے کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

وحدت امت کی ضرورت ہے کیونکہ اختلافات کے سبب کتنی قومیں برباد ہو گئیں اور آج بھی بہت سے اسلامی ممالک اور ملت اسلامیہ کے ہزاروں افراد استعماری اور استبدادی طاقتوں کے ہاتھوں مظلوم اور بے قصور ہلاک ہو رہے ہیں۔ وحدت امت کی ضرورت ہے

کیونکہ مسلمانوں کی عزت، سربلندی، حاکمیت، کرامت، صرف کلمہ اتحاد میں ہی پوشیدہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیاوی نظام کی اصل اور حقیقی بنیاد وحدت و اتحاد ہے اور تفرقہ و اختلاف ایک غیر حقیقی اور عارضی امر ہے۔

### نتیجہ

اس مضمون میں کی گئی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کا تصور وطنیت جدید مغربی تصورات سے مختلف بلکہ متضاد ہے۔ مغربی نظریات میں علاقے، رنگ، نسل اور زبان اکثر قوم کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اقبال کا منتخب کردہ نظریہ اسلام کی تعییمات پر مبنی ہے جس میں تمام مسلمانوں کو ایک تشخص کی اکائی میں باندھ دیا گیا ہے۔ انکی مثال ایک دیوار کی سی ہے جہاں ہر اینٹ کی اپنی حیثیت اور اہمیت ہے۔ اگرچہ اقبال نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطہ زمین کا خواب دیکھا لیکن اس خطے کی بنیادیں مسلمانوں کی اپنی شناخت، دینی خودی اور نظریہ اسلام پر رکھی گئی اور یہ خطہ ارضی باقی ماندہ مسلمانوں سے الگ نہیں بلکہ انکا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جیسے ایک گل کا جز ہوتا ہے اور امت مسلمہ کی ایک مضبوط اینٹ ہوتی جو تمام عمارت کو مضبوط کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے ایک ایسے خطہ زمین کے لئے نظام متعارف کروایا کہ جہاں مسلمان اپن عظمت رفتہ کو دوہرا سکیں اور اپنی اصالت و اساس کی طرف لوٹ سکیں۔ اس کے لئے اقبال نے آزادی کا حصول اور غلامی سے نجات اور بعد میں نظام الہی کا نفاذ تجویز کیا۔

### حوالہ جات

- 1- محمد صدیق قریشی، اقبال ایک سیاستدان، مقبول اکیڈمی لاہور، ص 35
- 2- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، ص 4
- 3- ایضاً ص 82
- 4- ایضاً ص 82
- 5- <http://www.iqbal.com.pk/poetical-works/kuliyat-e-baqiyat-e-iqbal5>
- 6- علامہ اقبال، جاوید نامہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، ص 166

7- صحیح مسلم، حدیث نمبر 6707

(accessed on 03/06/2017)/8http://meriurdu.com/khutba-hajjatul-wida-in-urdu8

- 9- القرآن، سورہ حجرات، آیت نمبر 13
- 10- البیرونی، کتاب البندہ، بک ٹاک لاہور، 2011ء، ص 13-14
- 11- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939ء، ص 173-74
- 12- خطبہ صدارت مسلم کانفرنس، منعقد لاہور، 1932ء، بحوالہ نقوش اقبال، ص 280
- 13- القرآن، الحجرات، آیت 13
- 14- ایس۔ اے۔ رحمان، اقبال اور سوشلزم، ص 38
- 15- القرآن، النساء، آیت 125
- 16- القرآن، آل عمران، آیت 95
- 17- غلام دنگیر شہاب، ترجمان رموز پنجووی، پر بھات پریس پونا، 1991ء، ص 82
- 18- ایضاً، ص 90
- 19- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939ء، ص 88
- 20- ایضاً، ص 172
- 21- ایضاً، ص 301
- 22- ایضاً، ص 308
- 23- ایضاً، ص 309
- Allama Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam*, P 1 68 24
- 25- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939ء، ص 279
- 26- علامہ اقبال، ارمغان حجاز، اقبال اکیڈمی لاہور، 2002ء، ص 645
- 27- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939ء، ص 210
- 28- علامہ اقبال، ضرب کلیم، ص 131
- 29- ایضاً، ص 41
- 30- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939ء، ص 174
- 31- ایضاً، ص 173
- 32- ایضاً، ص 174
- 33- ایضاً، ص 229
- 34- ایضاً، ص 312

- 35- علامہ اقبال، ضرب کلیم، ص 49
- 36- ایضاً، ص 119
- 37- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939، ص 173
- 38- ایضاً، ص 32-220
- 39- ایضاً، ص 231
- 40- علامہ اقبال، ضرب کلیم، ص 128
- 41- ایضاً، ص 67
- 42- ایضاً، ص 75
- 43- علامہ اقبال، ہال جبریل، تاج کمپنی، لاہور، 1935، ص 210
- 44- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939، ص 308
- 45- علامہ اقبال، ہال جبریل، تاج کمپنی، لاہور، 1935، ص 50
- 46- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939، ص 216
- 47- علامہ اقبال، ضرب کلیم، ص 30
- 48- علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، 1939، ص 210